

# دین اور عمل میں ترجیحات کا تعین

ڈاکٹر کوثر فردوس<sup>o</sup>

صحابہ کرامؓ اس بات کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ یہ جان سکیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ بہت ساری نیکیوں میں سے کون سی نیکی آخرت میں خیر کے پلڑے میں سب سے وزنی ہوگی؟

قرآن و سنت سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے کچھ معیارات رکھے گئے ہیں جن سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سے ہیں، اور اعمال کے درجے کیا ہیں؟ پھر یہ رہنمائی بھی ہے کہ ایک ہی عمل ایک وقت میں اگر اجر کے لحاظ سے افضل ترین ہوتا ہے تو دوسرے حالات یا وقت میں اس کا وہ درجہ نہیں رہتا۔ اسی طرح بُرے اعمال جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، ان کے درمیان فرق کو قرآن و حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔

## دین میں ترجیحات اور ہمارا رویہ

رب کی رضا کے متلاشی اور اس کے لیے کوشش کرنے والے اور رب کی ناراضی سے بچنے والوں کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ اعمال کے درجوں کے بارے میں علم حاصل کریں۔ فرض، واجب، مستحب اور نفل میں کیا فرق ہے؟ یہ درجہ بندی کیوں ہے اور کون سے اعمال کس زمرے میں آتے ہیں؟ ایسے ہی جن کاموں سے رُکنا ہے، ان میں بڑے گناہ یا کبائر، صغائر، مشتبہ اور مکروہ اعمال کون سے ہیں؟ یہی علم ترجیحات کا تعین کرتا ہے۔ یہ علم نہ ہو، تو ہم عمل کریں گے، مگر غیر اہم کو اہم بنا لیں گے اور اہم کو غیر اہم سمجھ لیں گے جو کہ بہت زیادہ نقصان کا سودا ہوگا۔

o ڈاکٹر کوثر تربیہ، رفاه انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

جو لوگ دین سے محبت رکھتے ہیں، پابندی سے عمل کرتے ہیں، وہ بھی اکثر اوقات ان تفصیلات اور اس ترتیب تک کو نہیں جانتے۔

دین دار اپنی انفرادی زندگی میں نقلی حج اور رمضان کے عمرے پر خرچ کرنا زیادہ اہم جانتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ اپنے خاندان کے کسی تنگدست کی مدد کی جائے، کسی مصیبت زدہ ملک، فلسطین یا کشمیر کے باسیوں کی بنیادی ضرورتوں کے لیے عطیہ دیا جائے۔ کوئی دعوتی اور تحریکی مرکز قائم کریں یا اس کی کفالت کریں، جہاں تخصص حاصل کر کے ایسے افراد تیار ہوں، جو دلیل کے ساتھ اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے شبہات کا جواب دے سکیں۔

دین کا شعوری تعارف اور جذبہ بیدار ہونے کے بعد بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کئی افراد اپنے تعلیمی میدان کو خیر باد کہہ کر، دعوت و ارشاد کے لیے فارغ ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ اگر وہ اچھی نیت کے ساتھ، اپنے کام کو پوری مہارت کے ساتھ انجام دیتے، حدود اللہ کی پابندی کرتے، تو یہ عمل بڑی عبادت تصور ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے بڑے پیمانے پر یہ مطالبہ نہیں کیا کہ تم اپنے پیشے چھوڑ کر دعوت و تبلیغ کے لیے فارغ ہو جاؤ۔ ہجرت سے پہلے، ہجرت کے بعد بھی یہی طریقہ رہا کہ سارے لوگ اپنے اپنے پیشے سے وابستہ رہے اور دعوت کا کام بھی سرانجام دیتے رہے۔ جب جہاد کے لیے اعلان ہوتا تو اس کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔

امام غزالی نے اپنے دور میں لوگوں کے لیے یہ بات ناپسند کی کہ ان کے اکثر طالب علم، علم فقہ وغیرہ کی طرف متوجہ رہتے۔ دوسری طرف مسلم ممالک میں علاج معالجے کے لیے عیسائی یا یہودی طبیب ہی ہوتے، جو عورتوں اور مردوں کا علاج کرتے۔

۱۹۷۳ء میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی طالبات کا ایک وفد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ان کی رہائش گاہ پر ملا، راقمہ بھی اس وفد میں شامل تھی۔ عرض کی: ”ہم ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے، مردوں کی چیر پھاڑ (ڈائسینشن) کر کے پڑھتے ہیں، یہ مردوں کی بے حرمتی میں آتا ہے۔ ہم دین پر مکمل عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم میڈیکل کی تعلیم چھوڑ دیں“۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ہمارے اجتہاد سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ:

”اگر سب اس طرح سوچیں، تو ان شعبوں میں جس اصلاح کی ضرورت ہے، وہ کون کرے گا؟“ آپ نے اس کام کو بہ کراہت مکمل کرنے اور بڑے ہدف پر نظر رکھنے کا کہا اور مثال دی کہ گلاس کے گدلے پانی کو صاف پانی سے بدلنا ہو تو اس عمل میں درمیان کا وقت، گدلے پانی کا ہوگا، مگر صاف پانی تک پہنچنے کے لیے اس گدلے پانی سے گزرنا، ناگزیر ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں، سو آپ اپنی تعلیم جاری رکھیں اور آئندہ اس کو خلاف اسلام امور سے پاک کریں۔

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں کہ امریکا، کینیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں رہائش پذیر مسلمان، ہم سے یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ گھڑی دائیں ہاتھ میں پہنیں یا بائیں ہاتھ میں، کوٹ پتلون پہنا جاسکتا ہے یا شلوار قمیص پہننا فرض ہے؟ عورتوں کا مسجدوں میں جانا حلال ہے یا حرام؟ ترجیح کو نظر انداز کرنے کی روش پر چلتے ہوئے، ہم نے ان بہت سارے فرائض کفایہ کو چھوڑ دیا ہے، جو مسلمان امت کو دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز کرنے کے لیے ناگزیر تھے، مثلاً سائنسی، عسکری، صنعتی برتری۔

بعض ایسے امور کو بھی چھوڑ دیا ہے، جو فرض عین کے درجے میں آتے ہیں، یعنی یہ کہ ہر فرد پر ان کا کرنا لازم ہے۔ اگر چھوڑا نہیں تو انھیں وہ مقام نہیں دیا جو دینا چاہیے تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بیان کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت ۱۷ میں اسے نماز اور زکوٰۃ سے پہلے بیان کیا ہے۔ اس فریضے کے ترک پر بنی اسرائیل کے لیے ان کے نبیوں کی زبان سے لعنت کی گئی ہے۔ بعض امور کو بعض پر زیادہ اہمیت دے رکھی ہے۔ بہت سارے بے نمازی، رمضان کے روزے شوق سے رکھتے ہیں۔ بعض کے ہاں نوافل کا اتنا اہتمام کہ فرائض اور واجبات کا بھی وہ اہتمام نہیں ہے۔

عبادات پہ بجا طور پر توجہ ہے، مگر معاشرتی فرائض کا وہ درجہ نہیں ہے۔ جن میں والدین سے حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، یتیموں اور مسکینوں کا خیال رکھنا، اہل خانہ کے حقوق شامل ہیں۔ دوسری طرف یہ صورت حال بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ دعوت کا کام کرنے کا ایسا شوق اور مشغولیت کہ گھر میں بچوں کی تعلیم و تربیت، خانگی ضروریات اور بزرگوں کی خدمت میں کوتاہی ہونے لگتی ہے۔

﴿﴾ اس مضمون کی تیاری میں القرضاوی کی کتاب دین میں ترجیحات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ملازمت میں ایسی مشغولیت ہے کہ دین کا علم سیکھنے اور دعوت کے کام کے لیے وقت نکالنا گراں محسوس ہوتا ہے۔ مرکز و محور اپنی ذات ہے تو مال بھی یہاں ہی خرچ ہوتا ہے۔ کہیں اور خرچ کرنے کے لیے پچتا ہی نہیں ہے۔

چہرے کے پردے کی ایسی سختی کہ گھر میں آئے شوہر کے محرم رشتہ دار کے لیے دروازہ کھولنا اور بٹھانا تک ناممکن۔ گھر آئے مہمانوں کی مناسب میزبانی کے بجائے پردے کی بنا پر کمرے میں بند ہو جانا۔ دوسری طرف ملازمت اور اعلیٰ تعلیم کا ایسا شوق اور آگے بڑھنے کی اتنی لگن کہ گھر بار بچے، سب اس پر قربان کر دیے جاتے ہیں۔

یہ سب خرابیاں اس بنا پر آتی ہیں کہ ہمیں ترجیحات کا تعین معلوم نہیں، کس وقت کون سا کام اہم ترین ہے، کس کو کس پر ترجیح دینی ہے اور کس کو چھوڑ دیں تو خیر ہے؟ اس کے لیے یہ علم ناگزیر ہے کہ اعمال کے درجے کیا ہیں، اور حالات کے ساتھ ان کے درجے کیسے بدل جاتے ہیں؟

#### اعمال میں ترجیحات کی اہمیت

ترجیحات کی اہمیت، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے:

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جان فشانے کی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے نزدیک تو انھی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔ (التوبہ: ۹: ۱۹-۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس بات کی وضاحت کرتا ہے۔ فرمایا:

أَلَا يَمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، أَعْلَاهَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَا هَا إِمَاطَةُ الْإِيْمَانِ عَنِ الظَّرْفَيْنِ (بخاری، کتاب الایمان) ایمان کے ۷۰ کے لگ بھگ شعبے ہیں

ان میں سے اعلیٰ شعبہ لا الہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ یہ کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹایا جائے۔ قرآن و سنت میں اس حوالے سے جو تعلیمات وارد ہوئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے کچھ معیارات رکھے گئے ہیں، جن کے ذریعے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے

ہاں افضل، اولیٰ اور سب سے پسندیدہ اقدار و اعمال کیا ہیں؟ یعنی فرض، واجب، مستحب اور نوافل کون کون سے ہیں؟ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ بعض احادیث میں ان کے درمیان جو نسبت ہوتی ہے وہ بیان کر دی گئی ہے جیسے:

باجامعت نماز انفرادی نماز سے ۲۷ درجے فضیلت رکھتی ہے۔ (بخاری، کتاب الاذان،

ابواب صلاۃ الجماعۃ، حدیث: ۶۲۸)

اللہ کی راہ میں ایک ساعت پہرہ دینا اس سے بہتر ہے کہ آدمی لیلۃ القدر کو حجرِ اسود کے

پاس کھڑا عبادت کرتا رہے۔ (بیہقی، باب فی المرابطۃ، حدیث: ۴۱۰۵)

اسی طرح بڑے اعمال کی بھی درجہ بندی موجود ہے۔ ان میں کچھ کبارتر ہیں، کچھ صغائر

ہیں، پھر مکروہات اور مشتبہات ہیں۔ بعض اوقات ان کی بھی آپس میں نسبت بیان کی گئی ہے، مثلاً

ایک آدمی جان بوجھ کر ایک درہم سود کھائے تو یہ اس سے شدیدتر ہے کہ ایک شخص ۳۶ بار زنا کا

مرکب ہو (دارقطنی، کتاب المبیوع، حدیث: ۲۳۸۷)۔ لیکن اس کا مطلب زنا کو کم تر ثابت کرنا

نہیں، بلکہ سود کے ناجائز ہونے کی شدت کو واضح کرنا ہے۔

قرآن پاک میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ سارے لوگ مرتبے کے لحاظ سے برابر

نہیں ہیں بلکہ علم و عمل کے لحاظ سے لوگوں کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ فرمایا: ”مسلمانوں میں سے

وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے

ہیں، ان دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد

کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے،

مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اُن کے لیے

اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور

رحم فرمانے والا ہے“۔ (النساء: ۴-۹۵-۹۶)

#### ترجیحات کے درمیان موازنہ

یہ موازنہ دراصل بھلائیوں کا آپس میں موازنہ کرنا ہے۔ دوسرے برائیوں کا آپس میں

موازنہ ہے، اور تیسرے بھلائیاں اور برائیاں جب دونوں موجود ہوں تو اس وقت ان کے درمیان

موازنہ کر کے فیصلہ کرنا ہے۔ بھلائیوں کے موازنے کے تین درجات ہیں۔ یہ تین درجے، ضروریات، حوائج یا آسائیاں اور محسنات یا تعیشات ہیں۔

ضروریات وہ ہیں جو زندگی کے لیے ضروری اور بنیادی ضرورتیں ہیں:

حوائج یا آسائیاں وہ ہیں، جن کے بغیر زندگی تو گزر جاتی ہے مگر مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

محسنات اور تعیشات وہ ہیں جو زندگی کو حسین و جمیل اور انتہائی آرام دہ بنا دیتی ہیں۔

سر چھپانے کے لیے ٹھکانہ، یعنی گھر بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے اندر مہمان کے لیے کمرہ، مکین کے لیے کمرہ، کھانا پکانے کی جگہ وغیرہ وغیرہ آسائیاں مہیا کرتے ہیں، لیکن ان کو بہت کشادہ کرنا، بہت سجانا وغیرہ تعیشات میں آتے ہیں۔ ضروریات کا اہتمام کرنا فرض ہے۔ آسائیاں حاصل کرنے کی گنجائش ہے مگر تعیشات ناپسندیدہ ہیں۔ اس لیے ضروریات کو آسائیوں پر ترجیح اور آسائیوں کو تعیشات پر ترجیح دینا ضروری ہے۔

ضروریات میں بھی پانچ چیزیں ہیں: دین، جان، نسل، عقل اور مال۔ ان میں دین پہلے

اور سب سے اہم ہے اور باقی ضروریات پر مقدم ہے۔ یہاں تک جان پر بھی مقدم ہے اور جان باقی ضروریات پر مقدم ہے۔

بھلائیوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے ان باتوں کا خیال رکھائے جائے: بڑی مصلحت چھوٹی مصلحت پر مقدم ہے، جماعتی مصلحت جس میں سب کا فائدہ ہو، انفرادی مصلحت پر مقدم ہے، اکثریت کی مصلحت، اقلیت کی مصلحت پر مقدم ہے، دائمی مصلحت عارضی مصلحت پر مقدم ہے۔ مستقبل کی قومی مصلحت حال کی کمزور مصلحت پر مقدم ہے، جیسے صلح حدیبیہ میں نبیؐ نے اصل اور بنیادی، مستقبل کی مصلحتوں کو ظاہر اور فوری مصلحتوں پر مقدم رکھ کر شرائط قبول کر لیں۔

برائیوں کے درمیان موازنہ بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان کے بھی مختلف درجے ہیں۔

وہ برائیاں جو مال کے نقصان کا ذریعہ بنیں ان کا درجہ کم ہے۔ اُن سے جو جان کے نقصان کا باعث

بنیں، اور جان کے نقصان والی کا درجہ دین کے نقصان کا باعث بننے والی برائیوں سے کم ہے۔

پھر برائیاں اپنے حجم، اثرات اور خطرات کے لحاظ سے بھی مختلف درجوں کی حامل ہوتی

ہیں۔ ان کے لیے فقہانے بعض قواعد وضع کیے ہیں، مثلاً دو برائیوں میں سے کم تر کا انتخاب کیا جائے

یا بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کیا جائے۔

اگر کسی معاملے میں بھلائیاں اور برائیاں یا فائدے اور نقصان دونوں ہوں تو ان کے درمیان بھی موازنہ کئے بغیر چارہ نہیں۔ کسی معاملے میں برائیاں زیادہ اور فائدے کم ہوں تو اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔ یہی بات قرآن نے شراب کے مسئلے میں سمجھائی: ”پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگر چران میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے“۔ (البقرہ ۲: ۲۱۹)

ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے، ایک اور نکتہ ایمان اور اعمال میں ترجیح کے تعین کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے“ (البقرہ ۲: ۱۷۷)۔ یعنی ایمان سب سے مقدم ہے اور عمل اس کے بعد ہے۔ ایمان پہلے لانا ہوگا، پھر عمل اور جتنا ایمان مضبوط ہوگا، اتنا عمل بہتر ہوگا۔

ایمان کے بعد اعمال ہیں اور اعمال میں ترتیب: فرائض، واجبات اور مستحبات ہے۔ بنیادی فرائض میں عبادت: یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہیں۔ ان فرائض میں بھی فرائض العین ہیں اور فرائض کفایہ ہیں۔ فرض عین اہم تر ہے۔ فرض عین وہ ہے جس کی ادائیگی ہر فرد پر لازم ہے۔ اس کے بعد فرض کفایہ ہے، یعنی کچھ لوگ کر لیں تو بقیہ پہ لازم نہیں رہتا لیکن کچھ حالات میں فرض کفایہ فرض عین بن جاتا ہے۔ اگر ایک محلے میں ۵۰ فقیر ہیں اور ایک طبیب ہے اور وہ بھی غیر مسلم تو طب کا علم حاصل کرنا، فرض کفایہ نہیں، فرض عین ہوگا۔ فرض عین میں حج پر نماز مقدم ہے، اور فرائض کفایہ میں والدین کی خدمت مقدم ہے جہاد پر۔ یعنی حالات کے لحاظ سے ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو ہدایت کی: پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ پہ ایمان کی دعوت دینا۔ پھر پانچ نمازوں کا کہنا، مان لیں تو صدقہ اور پھر زکوٰۃ کا حکم دینا۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ، حدیث ۱۳۴۲)

ترہیت نبویؐ کے انداز کو سمجھنا بھی اہم تر ہے۔ جس میں پہلے ارکان اسلام اور اساسیات، بنیادی امور کی تعلیم دیتے اور پھر جزئیات پر عمل کی تلقین فرماتے۔ دین کے مزاج کے مطابق یہ بات

درست نہیں ہے کہ آدمی سنن اور نوافل میں مشغول رہے اور فرائض سے غفلت اور سستی اختیار کرے۔ بعض اوقات راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد کا اہتمام کرنے والے، صبح اپنی ملازمت کو ایسے جاتے ہیں کہ تھکاوٹ اور سستی دور نہیں ہوئی ہوتی، حالانکہ یہاں کے وقت کی وہ تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر پاتے۔ گویا اچھے طریقے سے کام کرنا بھی فرض ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں کہ: یہ کوئی تاہی امانت میں خیانت ہے اور مہینے کے آخر میں آدمی جو تنخواہ لیتا ہے وہ حرام کا مال ہوتا ہے۔ رات کا قیام نفل ہے، جو اللہ نے فرض نہیں کیا۔ فقہانے یہ بات طے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ فرض کو ادا نہ کیا جائے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ: جو شخص فرض کی ادائیگی میں نفل سے غافل رہا، اس کو معذور سمجھا جائے گا، مگر جو شخص نفل کی ادائیگی کا اہتمام کرے مگر فرض سے غافل ہو گیا، وہ دھوکے میں ہے۔ فرض عین میں حقوق العباد، حقوق اللہ یہ فوقیت رکھتے ہیں۔ علمائے کہا ہے کہ اللہ کے حقوق مسافت، یعنی نرمی و چشم پوشی پر مبنی ہیں، اور حقوق العباد مشاخصت، یعنی لڑائی جھگڑے پر مبنی ہیں۔ مثال یوں ہے کہ حج واجب ہے اور دوسری طرف قرض کی ادائیگی واجب ہے، تو ان میں قرض کی ادائیگی پہلے کرنا ہوگی۔

فرائض میں اور حقوق العباد میں جو فرائض جماعت کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں، ان فرائض پر جن کا تعلق افراد کے حقوق سے ہے، ان کو ترجیح حاصل ہوگی۔ مثال کے طور پر حکومت کا ٹیکس لگانا بظاہر چند افراد کے مال کو نقصان پہنچاتا ہے، مگر اس سے حکومت بہت سارے افراد کے لیے درکار ملکی ضروریات کو پورا کرتی ہے، تو یہ ایک افضل عمل ہے کہ یہ ملک کی حفاظت یا رفاہ عامہ کے دیگر امور کے لیے ضروری ہے۔

#### منہیات میں ترجیح کا تعین

منہیات، یعنی جن کاموں سے منع کیا گیا۔ ان کی اقسام اور ان میں ترجیح کا علم ہونا بھی اہم ہے۔ اس فہرست میں درج ذیل کو ذہن میں رکھنا ہوگا:

- گناہ: اس کی بھی دو قسمیں اور درجے ہیں: گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ۔
- گناہ کبیرہ: اس کے کرنے والے پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ اللہ کی لعنت



اور جہنم کی آگ کا مستحق بنتا ہے۔ یہ فہرست ان ہی وعیدوں کے مستحقین سے مرتب کی گئی ہے۔ بعض اوقات ان کی وجہ سے حد لازم آتی ہے۔ قرآن پاک نے بعض کبار کی تعریف بھی متعین کر دی ہے۔ ان میں السبع المہلکات، یعنی سات مہلکات شامل ہیں۔ یہ ہیں شرک، اللہ کی حرام کردہ جان کو ناحق قتل کرنا، جادو کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، پاکیزہ اور بے خبر مومنات پر الزام لگانا، میدان جنگ میں دشمن سے منہ موڑنا۔ اسی طرح کا معاملہ ان گناہوں کا بھی ہے، جو صحیح احادیث میں بتائے گئے ہیں۔ ان میں والدین کی نافرمانی، قطع رحمی، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، شراب نوشی، زنا، ہم جنسیت، خودکشی، راہزنی، غصب، مالِ غنیمت میں خیانت، رشوت، چغلی کھانا۔ بنیادی فرائض نماز، روزہ، زکوٰۃ اور استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا بھی کبار میں آتے ہیں۔

ان عملی کبیرہ گناہوں میں پھر کچھ زیادہ بڑے ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اکبر الکبار کے بارے میں نہ بتاؤں؟ پھر آپ نے شرک کے بعد والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی کو گنتی کر کے بتایا۔ (بخاری، حدیث: ۵۹۲۷)

شریعت نے اس حوالے سے گناہوں کی درجہ بندی اور فرق بیان کیا ہے، کہ کچھ گناہ وہ ہیں جو آدمی کسی کمزوری کی وجہ سے کر لیتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو سرکشی کا نتیجہ ہیں، مثلاً، زنا کمزوری اور سود سرکشی کی مثال ہے۔ سود کے ستر درجے قرار دیے گئے ہیں اور ان میں سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کو بیوی بنائے۔ (ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، حدیث: ۲۲۷۱)

ہمارے ہاں زنا، یا اجنبی فرد اور عورت کے درمیان راجلے کو بجا طور پر بہت بُرا سمجھا جاتا ہے مگر سود سے نفرت یا بچنا اور بچنے کے لیے چوکنا رہنا، گویا معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ کتنے سودی کاروبار ہیں، سودی نظام پر چلنے والے ادارے ہیں، جن میں ہم شامل ہیں۔ کتنے بینک اکاؤنٹس محض سستی کی بنا پر یا شیک کی بنیاد پر، کرنٹ یا نفع و نقصان کے اکاؤنٹ میں تبدیل نہیں ہو پاتے۔ سودی بینکوں سے اسلامی بینکوں میں اکاؤنٹ منتقل کروانا بسا اوقات مہینوں ہماری فرصت کا محتاج رہتا ہے۔

● قلبی گناہ کبیرہ: عملی کبیرہ گناہوں کے علاوہ دوسری قسم قلبی گناہ کبیرہ ہیں۔ کبیرہ گناہ صرف ظاہری ہیں کہ جو نظر آئیں، جب کہ قلبی گناہ وہ ہیں، جو ہماری سوچ اور دل میں جگہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور بسا اوقات بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے گناہ میں فرق یہ تھا کہ حضرت آدم کی نافرمانی ظاہری اور جسمانی تھی، انھوں نے فوراً توبہ کر لی۔ ابلیس کی نافرمانی کے پیچھے قلبی تکبر اور رعونت تھی کہ میں اعلیٰ ہوں اور اس قلبی کیفیت کی بنا پر وہ رجوع کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی کی راہ پر چل پڑا۔

قلبی گناہوں کے بارے میں زیادہ سخت وعید ہے اور ان سے محتاط رہنے کی زیادہ تاکید ہے کہ یہ عملی کبائر کا محرک بھی بنتے ہیں۔ ان میں کچھ قلبی گناہ ہوں، کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

• تکبر: قرآن پاک میں اس طرف اشارہ یوں کیا گیا ہے، شیطان کا اللہ سے مکالمہ ہے: ”میں اس سے بہتر ہوں“۔ (ص: ۳۸: ۷۶)

حدیث: ”آدمی کے لیے اتنا شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے“۔

”وہ ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو غرورِ نفس میں مبتلا ہوں“۔ (النحل: ۱۶: ۲۳)

خود احتسابی کی ضرورت ہے کہ کہاں کہاں اور کب کب میں نے اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ سمجھا۔ علم، عمل، عبادت، تحریر، تقریر، معاملات وغیرہ وغیرہ۔

• بغض اور حسد: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کے قتل کا محرک حسد تھا، اور اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ ”پناہ مانگو اور حاسد کے شر سے، جب کہ وہ حسد کرے“۔ (الفرق: ۱۱۳: ۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی بڑی وعید ہے کہ: ”ایمان اور حسد بندے کے دل میں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے“۔ (صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب فضل الجہاد، حدیث:

(۴۶۷۶)

• طمع و لالچ: قلبی گناہوں میں جو کبائر ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ: ”تین

مہلکات ہیں: ایک طمع و لالچ جس کی پیروی کی جائے، دوسری خواہش جس کے پیچھے چلا جائے، اور

تیسرا آدمی کا اپنے آپ میں گم ہو جانا“۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث: ۵۵۵۶)

شح، یعنی طمع و لالچ، دو امراض بخل اور حرص کے مجموعے کا نام ہے۔ بخل صرف مال کے

حوالے سے ہوتا ہے اور شح کسی سے بھلائی کرنے یا کسی بھی عبادت میں کشادہ دلی سے روکتی ہے۔

• شدید خواہشِ نفس: اللہ فرماتا ہے: ”پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور

کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا

اور اُس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ (الجاثیہ ۴۵: ۲۳)

خواہش نفس علم کے باوجود آدمی کو گمراہ کر دیتی ہیں اور اس کی بصیرت سلب کر لیتی ہے۔

● خود پسندی: یہ کہ آدمی اپنے عیبوں کو نہ دیکھے خواہ وہ کتنے ہی بڑے ہوں اور اپنے محاسن اور خوبیوں کو دور بین سے دیکھے اور انھیں بڑا کر کے ہر وقت پیش کرتا رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ وہ برائی جو تمہیں پریشان کر دے، اس بھلائی سے بہتر ہے جو تمہیں خود پسندی میں مبتلا کر دے۔ یعنی وہ مصیبت جس پر تم اپنے آپ کو ذلیل محسوس کرو اور انکسار اختیار کرو، اس عبادت سے بہتر ہے جو تمہارے اندر خود پسندی اور استکبار پیدا کر دے۔

● دیکھا دی: قلبی گناہوں میں ریا کاری ایسی بیماری ہے کہ جو اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور اسے اللہ قبول نہیں کرتا، اگرچہ وہ عمل یا اس کا ظاہر لوگوں کے لیے کتنا ہی خوب صورت اور حسین ہو: ”پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں“۔ (الماعون: ۱۰۷-۱۰۶)

ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے۔ ریا کار کا اپنے عمل سے مقصود اللہ کی رضا نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے راضی ہوں، اس کی تعریف کریں اور اس کی بزرگی و شرافت کا تذکرہ کریں۔ ایسے شخص کا عمل لوگوں کو راضی کرنے، ان کے درمیان اپنا مقام و مرتبہ بلند کرنے کی سعی ہوتی ہے، اور بظاہر لوگوں کو دکھاتا ہے کہ وہ رب کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اللہ اسے روز قیامت ذلیل کرے گا۔ (مختلف احادیث کا مفہوم)

● دنیا کی محبت اور طلب: یہ دنیا کی محبت اور اس کو حاصل کرنے کو آخرت پر فوقیت دینا ہے۔ خطرے کی بات اس کو مقصود و مطلوب بنالینا ہے: ”جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوش نمایوں کے طالب ہوتے ہیں، ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم بیہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے“۔ (ہود: ۱۱-۱۵)

● جاہ اور عہدے کی محبت: آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو دنیا میں بڑے نہیں بنتے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی بھی قلبی گناہوں میں سے ہے۔ فرمایا: ”اللہ

کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔“ (یوسف ۱۲: ۸۷)

• **صغیرہ گناہ:** کبائر کے بعد، ترجیح میں دوسرے نمبر پر یا مہلک ہونے کے حوالے سے نسبتاً کم تر صغیرہ یا چھوٹے گناہ ہیں۔ لیکن یہ امر ملحوظ خاطر رکھیے کہ اگر کوئی صغیرہ گناہوں کو معمولی سمجھے اور ان پر عمل کرتا رہے، اصرار کرے تو یہ حقیر یا صغیرہ گناہ بھی کبیرہ گناہ کی طرف لے جاتے ہیں اور کبائر کفر کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ان گناہوں میں اکثر آدمی کبھی نہ کبھی مبتلا ہو جاتا ہے اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ آدمی نے کبھی کوئی صغیرہ گناہ نہ کیا ہو۔ تاہم، یہ ایسے گناہ ہوتے ہیں جو ہماری عبادات، نماز، روزہ، قیام لیل وغیرہ سے بخش دیے جاتے ہیں، جب کہ کبیرہ گناہوں کا یہ معاملہ ہے کہ وہ توبۃ النصوح کیے بغیر نہیں بخشے جائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ حالات زمانہ اور ارتکاب کرنے والے فرد کے لحاظ سے بھی گناہ میں فرق آ جاتا ہے، جیسے کنوارے، شادی شدہ اور بوڑھے کے زنا میں فرق ہے۔ اسی طرح مسجد میں یا ہمسایے سے زنا میں فرق ہے۔

• **حرام:** وہ محرکات جن کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہو وہ حرام ہیں: ”اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ کہ مُردار نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو“۔ (البقرہ ۲: ۱۷۳)

کمائی میں تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کہا ہے۔ یعنی جس چیز کی حرمت کو قرآن و سنت میں صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے وہ حرام ہے۔

• **بدعت:** یہ بھی گناہ کے ساتھ ہی شامل ہے۔ بدعت وہ ہے جس کو لوگوں نے دینی معاملات میں نیا ایجاد کیا ہو۔ یہ بدعت اعتقادی بھی ہو سکتی ہے، قولی بھی اور عملی بھی۔ اس کا کرنے والا اللہ کا قرب چاہتا ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کر رہا ہے، عبادت کر رہا ہے۔ ابلیس کو گناہ کے مقابلے میں بدعت زیادہ اچھی لگتی ہے کیوں کہ بدعت کا کرنے والا نہ توبہ کرتا ہے، نہ باز آتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہے۔ بسا اوقات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امور کو مزید معتبر بنانے کی کوشش میں عملاً تحریف کر دیتا ہے۔ بدعتیں بھی مختلف درجات کی ہیں۔ کچھ بدعات مغلطہ جو آدمی کو کفر تک پہنچاتی ہیں جیسے

وہ فرقتے جو اسلام کے اصول سے ہی نکل جاتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو کفر تک تو نہیں فسق تک پہنچا دیتی ہیں۔

● **مشتبہات:** مشتبہات وہ ہوتی ہیں جن کا حکم اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اور اس کے

حلال اور حرام ہونے میں اشتباہ ہوتے ہیں۔

ایک اُن پڑھ آدمی کو کسی با اعتماد عالم سے پوچھ لینا چاہیے۔ خود مشتبہات کے حوالے سے لوگوں کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ وسوسے کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور انتہائی معمولی مناسبت ہو، تب بھی، مشتبہات کی تحقیق میں وقت اور صلاحیت صرف کرتے ہیں۔ بعض تاویلات کر کے ناممکن کو ممکن بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اللہ کسی مسلمان سے اتنی گہرائی میں جانے اور اتنی نکتہ چینی کا تقاضا نہیں کرتا۔ صحابہ کرامؓ مشرکین اور اہل کتاب سے لین دین کرتے تھے، حالانکہ ان کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ تمام حرام چیزوں سے اجتناب نہیں کرتے۔

اگر معاملہ مشتبہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ حضرت سفیانؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس سے کوئی رغبت نہیں، اسے اختیار کرنے کے مقابلے میں مجھے اس کا ترک کرنا زیادہ مرغوب ہے۔

اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی پڑوسی ہے جو کھلم کھلا سود کھاتا ہے اور حرام لینے سے نہیں ہچکچاتا، وہ مجھے اپنے ہاں کھانے پر بلاتا ہے تو میں کیا کروں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی دعوت کو قبول کرو۔ یہ تمہارے لیے جائز ہے اور گناہ اسی کے ذمے ہے۔ (مصنف عبد الرزاق، حدیث: ۱۴۱۹۰)

● **مکروہات:** مکروہ وہ ہیں جس کے ترک کرنے میں اجر اور ان کے کرنے میں گناہ نہیں

ہوتا۔ سب سے ادنیٰ درجہ مکروہات کا ہے۔ مکروہات میں بھی کچھ وہ ہیں جو حرام سے زیادہ قریب ہیں، جیسے مکروہ تحریمی، اور کچھ وہ ہیں جو حلال سے زیادہ قریب ہیں، جیسے مکروہ تنزیہی، مثلاً ٹیک لگا کر کھانا کھانا، اونچی آواز نکالنا، بخار کو گالی دینا وغیرہ۔